ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1910

Program: BS (Islamic Studies, English Version)

Semester: Autumn 2026

ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY, ISLAMABAD

Course: تصوف و اخلاق اسلامی (1910)

Level: اسلامیہ علوم ایس بی (B.S. Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

Assignment No. 1 (Units 1–5)

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(For Study & Reference)

Note: This guide is prepared for study and reference purposes. Students are advised to read the relevant units of the course book and write the assignment in their own words. نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے ہے۔ طلبہ اپنے الفاظ میں مشق تحریر کریں۔

کل نمبر — 100 :کامیابی کے نمبر — 50 :ہر سوال کے نمبر20 :

سوال نمبر :1 اخلاق کا مفہوم، مقاصد اور حصول کے طریقے بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

اخلاق انسانی زندگی کا وہ بنیادی عنصر ہے جس پر فرد کی شخصیت، خاندان کی فضا اور پورے معاشرے کی تہذیب کا انحصار ہوتا ہے۔ علم، دولت اور طاقت انسان کو بڑا بناتی ہیں، مگر اسے اچھا انسان اخلاق ہی بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اخلاق کو محض سماجی آداب کا مجموعہ قرار نہیں دیا بلکہ اسے دین کا بنیادی مقصد قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات، عقائد اور معاملات کی اصل روح اخلاق ہے، کیونکہ عبادت اگر اخلاق میں ڈھل نہ جائے تو وہ محض رسم بن کر رہ جاتی ہے۔

زیرِ نظر سوال میں تین بنیادی امور کی وضاحت مطلوب ہے :اول یہ کہ اخلاق کا مفہوم کیا ہے، دوم یہ کہ اخلاق کے مقاصد کیا ہیں، اور سوم یہ کہ اچھے اخلاق حاصل کرنے کے طریقے کون سے ہیں۔ ان تینوں پہلوؤں کو سمجھے بغیر اخلاق کی حقیقی اہمیت اجاگر نہیں ہو سکتی، اس لیے ذیل میں ہر پہلو کو الگ الگ تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری کے لیے یہ موضوع مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

اخلاق کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

لفظ" اخلاق "عربی زبان کے لفظ" خُلق "کی جمع ہے۔ خُلق کے لغوی معنی عادت، طبیعت، فطرت اور سیرت کے ہیں۔ جس طرح" خَلق "انسان کی ظاہری صورت اور جسمانی بناوٹ کو کہتے ہیں، اسی طرح" خُلق "انسان کی باطنی صورت، داخلی کیفیت اور روحانی شکل کو کہا جاتا ہے۔ گویا جسم کی خوبی اور بدصورتی آنکھ سے دیکھی جاتی ہے، جب کہ خُلق کی خوبی اور خرابی دل کی آنکھ یعنی بصیرت سے پہچانی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان چہرے سے خوبصورت ہو مگر اخلاق کے اعتبار سے بدصورت ہو سکتا ہے اور ظاہری شکل میں معمولی انسان اخلاق کی بلندی سے دلوں کا محبوب بن جاتا ہے۔

اصطلاح میں اخلاق سے مراد نفس کی وہ پختہ اور مستقل کیفیت ہے جس سے افعال بغیر سوچ سمجھے اور بغیر تکلف کے بآسانی سرزد ہوتے ہیں۔ اگر یہ کیفیت اچھی ہو تو اس سے اچھے افعال صادر ہوتے ہیں اور اسے خُلقِ حسن کہتے ہیں، اور اگر یہ کیفیت بری ہو تو اس سے برے افعال سرزد ہوتے ہیں اور اسے خُلقِ سیئ کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ کبھی کبھار کسی سے بھلائی کا کام ہو جانا اخلاق نہیں کہلاتا، بلکہ جب نیکی انسان کی عادت اور طبیعت بن جائے، تب ہی وہ اخلاق کہلاتی ہے۔ اسی طرح مال خرچ کرنے کا ایک آدھا واقعہ سخاوت نہیں، بلکہ مستقل عادت سخاوت ہے۔

علمِ اخلاق اس علم کو بھی کہتے ہیں جس میں انسانی نفس کی اچھی اور بری عادات، ان کے اسباب، ان کے اثرات اور ان کی اصلاح کے طریقوں پر بحث کی جاتی ہے۔ یہ علم انسان کو بتاتا ہے کہ کون سی صفات فضائل ہیں جنہیں اپنانا چاہیے اور کون سی صفات رذائل ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ یوں اخلاق کا موضوع انسان کا باطن ہے، اس کا میدان دل و دماغ کی کیفیات ہیں، اور اس کا مقصد انسان کو حیوانی سطح سے اٹھا کر انسانیت کی معراج تک پہنچانا ہے۔

علماء اور مفکرین کی تعریفات

مشہور مسلم فلسفی اور ماہرِ اخلاق ابنِ مسکویہ نے اپنی کتاب" تہذیب الاخلاق "میں اخلاق کی تعریف یوں کی ہے کہ خُلق نفس کی اس حالت کا نام ہے جو انسان کو بغیر غور و فکر کے اپنے افعال کی طرف مائل کرتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ حالت دو طرح سے پیدا ہوتی ہے :ایک فطری مزاج سے اور دوسری عادت اور مشق سے، اور یہی دوسری قسم قابلِ تربیت ہے، اسی لیے اخلاق کی تعلیم و تربیت ممکن ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے" احیاء علوم الدین "میں اخلاق کی جامع تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ خُلق نفس کی ایک راسخ اور پائیدار کیفیت ہے جس سے افعال سہولت کے ساتھ اور بغیر پیشگی سوچ کے صادر ہوتے ہیں۔ اگر یہ کیفیت ایسی ہو کہ اس سے عقل و شرع کے نزدیک پسندیدہ افعال صادر ہوں تو اسے حسنِ اخلاق کہتے ہیں، اور اگر ناپسندیدہ افعال صادر ہوں تو اسے سوءِ اخلاق کہا جاتا ہے۔ امام غزالی کی اس تعریف کو علماء نے سب سے جامع قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں پختگی، سہولت اور شرعی پسندیدگی تینوں عناصر شامل ہیں۔

امام راغب اصفہانی کے نزدیک خلق اور خُلق دونوں کی اصل ایک ہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ خلق ظاہری ادراک یعنی آنکھ سے متعلق ہے اور خُلق باطنی ادراک یعنی بصیرت سے متعلق ہے۔ جدید مفکرین بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ اخلاق انسانی افعال کے اچھے یا برے ہونے کا وہ معیار ہے جو ضمیر، عقل اور وحی کی رہنمائی میں تشکیل پاتا ہے اور وقت کے ساتھ عادت بن کر شخصیت کا حصہ بن جاتا ہے۔

اخلاق کے مقاصد

اخلاق کا پہلا اور سب سے بڑا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ مسلمان کے لیے اخلاق کوئی سماجی مجبوری یا دنیوی مصلحت نہیں بلکہ عبادت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کی عظمت کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا" :وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ "یعنی بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔ جب انسان اللہ کی رضا کے لیے سچ بولتا ہے، وعدہ نبھاتا ہے اور مخلوق سے نرمی کرتا ہے تو اس کا ہر اخلاقی عمل اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

دوسرا مقصد تزکیہ نفس اور خودی کی تعمیر ہے۔ اخلاق انسان کے باطن کی صفائی کا نظام ہے۔ حسد، تکبر، بخل، غصہ اور لالچ جیسی باطنی بیماریاں انسان کی روح کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں، اخلاق انہی بیماریوں کا علاج ہے۔ تیسرا مقصد معاشرتی امن اور اصلاح ہے، کیونکہ جس معاشرے میں امانت، صدق، عدل اور عفو و درگزر عام ہو وہاں جرائم، تنازعات اور ظلم خود بخود کم ہو جاتے ہیں۔ چوتھا مقصد فلاحِ دارین ہے یعنی دنیا میں بھی سکون و عزت اور آخرت میں بھی کامیابی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میزان میں سب سے بھاری چیز حسنِ اخلاق ہوگی، اور بداخلاق روزہ دار اور شب بیدار بھی اخلاق کی کمی سے درجے میں پیچھے رہ جائے گا۔

پانچواں مقصد انسانیت کی تکمیل ہے۔ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق یہی ہے کہ حیوان جبلت کے تابع ہوتا ہے جب کہ انسان اخلاقی شعور رکھتا ہے۔ اخلاق انسان کو اس کی اشرف المخلوقات والی منزل یاد دلاتا ہے اور اسے محض کھانے پینے اور خواہشات کی تکمیل سے بلند کر کے خدمت، ایثار اور قربانی جیسی بلند اقدار سے روشناس کراتا ہے۔ یوں اخلاق کی غایت یہ ہے کہ انسان خود بھی سنورے، اس کے ذریعے معاشرہ بھی سنورے اور بالآخر وہ اپنے خالق کی رضا کے قابل بن جائے۔

اخلاق کے حصول کے طریقے

اچھے اخلاق حاصل کرنے کا پہلا طریقہ علم و معرفت ہے۔ جب تک انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ فضیلت کیا ہے اور رذیلت کیا ہے، وہ اصلاح کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتا۔ لہٰذا قرآن و سنت کا مطالعہ، اخلاقی کتب کا مطالعہ اور اپنے محاسبے کے لیے اہلِ علم سے رہنمائی حاصل کرنا پہلی شرط ہے۔ دوسرا طریقہ نیک صحبت ہے۔ انسان اپنے دوستوں کے دین و اخلاق پر ہوتا ہے؛ نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے نیکی کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور بری صحبت سے آہستہ آہستہ برائی معمول بن جاتی ہے، اس لیے صالحین کی صحبت اخلاق سازی کا آزمودہ ذریعہ ہے۔

تیسرا طریقہ مجاہدہ اور ریاضت ہے۔ نفس کو اچھے اخلاق پر آمادہ کرنا آسان نہیں ہوتا، اس کے لیے مسلسل کوشش، خود احتسابی اور خواہشات کی مخالفت درکار ہوتی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس صفت کی کمی ہو اس کے ضد پر عمل کیا جائے؛ بخیل سخاوت کی مشق کرے، متکبر تواضع اختیار کرے اور غصے والا حلم کی کوشش کرے، یہاں تک کہ یہ عمل عادت بن جائے۔ چوتھا طریقہ دعا اور اللہ سے مدد طلب کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ خود دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ !مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت دے، تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی ہدایت نہیں دے سکتا، اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے۔

پانچواں طریقہ سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ اور اس کی پیروی ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی ذات حسنِ اخلاق کا کامل عملی نمونہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ چھٹا طریقہ روزانہ محاسبہ نفس ہے کہ انسان دن کے اختتام پر اپنے اعمال کا جائزہ لے، غلطی پر توبہ کرے اور نیکی پر شکر کرے۔ ساتواں طریقہ چھوٹے چھوٹے نیک اعمال کی پابندی ہے، کیونکہ اخلاق بڑے دعووں سے نہیں بنتا بلکہ روزمرہ کے چھوٹے رویوں، سلام میں پہل،

مسکراہٹ، نرمی، وعدے کی پاسداری اور زبان کی حفاظت سے تشکیل پاتا ہے۔ مستقل مزاجی سے اپنائے گئے یہ طریقے رفتہ رفتہ انسان کے باطن کو بدل کر اسے حسنِ اخلاق کا پیکر بنا دیتے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اخلاق انسان کی باطنی صورت اور نفس کی اس پختہ کیفیت کا نام ہے جس سے اس کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد اللہ کی رضا، نفس کی پاکیزگی، معاشرے کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی فلاح ہے، اور اس کے حصول کے لیے علم، نیک صحبت، مجاہدہ، دعا، سیرت نبوی اور مسلسل محاسبہ ناگزیر ہے۔ جو قوم اخلاق سے خالی ہو جائے وہ علم و دولت کے باوجود زوال کا شکار ہو جاتی ہے، اور جو فرد اخلاق سنوار لے وہ دنیا میں بھی عزت پاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اس لیے ہر طالب علم کے لیے لازم ہے کہ وہ اخلاق کو محض ایک مضمون نہ سمجھے بلکہ اسے اپنی زندگی کا عملی پروگرام بنائے۔

سوال نمبر :2 تزکیہ کا مفہوم اور اہمیت قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

اسلامی تعلیمات میں تزکیے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ انسان کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس کے ظاہر سے زیادہ اس کے باطن کی پاکیزگی پر ہے۔ علم بغیر تزکیے کے تکبر بن سکتا ہے، عبادت بغیر تزکیے کے دکھاوا بن سکتی ہے اور مال بغیر تزکیے کے فتنہ بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے تزکیے کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں شمار کیا اور نجات و فلاح کو اسی سے وابستہ کیا ہے۔

آج کے دور میں انسانی زندگی مادی ترقی کے باوجود بے چینی، اضطراب اور اخلاقی بحران کا شکار ہے، جس کی بڑی وجہ باطنی زندگی سے غفلت ہے۔ ایسے میں تزکیے کا مفہوم اور اس کی اہمیت کو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ذیل میں پہلے تزکیے کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کیے جائیں گے، پھر قرآن و سنت کی نصوص کی روشنی میں اس کی اہمیت واضح کی جائے گی۔

تزکیے کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

تزکیہ عربی لفظ" زکٰوۃ "سے ماخوذ ہے جس کے معنی پاکیزگی، صفائی، بڑھوتری اور نشوونما کے ہیں۔ لغت میں تزکیے کے دو بڑے مفہوم ہیں :ایک تطہیر یعنی ناپاکی اور میل کچیل دور کرنا، اور دوسرا تنمیہ یعنی بڑھانا اور پروان چڑھانا۔ یہی وجہ ہے کہ مال کی زکاۃ کو بھی زکاۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ مال کو پاک بھی کرتی ہے اور اس میں برکت و اضافے کا سبب بھی بنتی ہے۔ گویا تزکیہ صرف صفائی کا نام نہیں بلکہ پاکیزگی کے ساتھ نشوونما بھی اس میں شامل ہے۔

اصطلاح میں تزکیہ نفس سے مراد انسان کے باطن کو شرک، کفر، نفاق، حسد، کبر، بخل، ریا، غصہ اور شہوات کی گندگی سے پاک کرنا اور اسے ایمان، اخلاص، صدق، صبر، شکر، توکل اور محبتِ الٰہی جیسی صفات سے آراستہ کرنا ہے۔ اس عمل میں نفس پر قابو پانا، خواہشات کو شریعت کے تابع کرنا اور قلب کو اللہ کی یاد سے آباد کرنا شامل ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں تزکیے ہی کو تصوف کی اساس قرار دیا گیا ہے، اور بعض علماء نے تزکیے کو احسان کے درجے سے تعبیر کیا ہے، جس کی تعریف حدیثِ جبریل میں یہ بیان ہوئی ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

قرآن مجید کی روشنی میں تزکیہ

قرآن مجید نے تزکیے کو فلاح کی بنیاد قرار دیا ہے۔ سورہ الشمس میں اللہ تعالیٰ نے متعدد قسمیں کھا کر فرمایا" :قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا "یعنی یقیناً وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے گناہوں کی مٹی میں دبا دیا۔ سورہ الاعلیٰ میں فرمایا" :قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ "یعنی وہ مراد کو پہنچا جو پاک ہوا، اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تزکیہ محض ایک اخلاقی فضیلت نہیں بلکہ فلاح و نجات کی شرط ہے۔

قرآن نے تزکیے کو بعثتِ انبیاء کے مقاصد میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ سورہ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل ہے کہ اے ہمارے رب !ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ سورہ آل عمران اور سورہ الجمعہ میں بھی نبی کریم ﷺ کے فرائض میں تلاوتِ آیات اور تعلیمِ کتاب و حکمت کے ساتھ تزکیے کو مستقل منصب کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے پہلے بھی اور علم کے بعد بھی انسان کی باطنی پاکیزگی مطلوب ہے، کیونکہ ناپاک دل علم کی روشنی کو قبول نہیں کرتا۔

مزید برآں قرآن نے صدقہ و زکاۃ کو بھی تزکیے کا ذریعہ قرار دیا" :خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا "یعنی ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے جس سے آپ انہیں پاک و صاف کر دیں۔ سورہ اللیل میں اس شخص کی تعریف کی گئی جو اپنا مال اللہ کی رضا کے لیے دیتا ہے تاکہ پاکیزگی حاصل کرے۔ ان تمام آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ تزکیہ ایمان کا لازمی تقاضا، عبادات کی روح اور آخرت کی نجات کی ضمانت ہے۔

سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تزکیہ

سنتِ مطہرہ میں تزکیے کی اہمیت متعدد احادیث سے ظاہر ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، خبردار !وہ دل ہے۔ اس حدیث میں اصلاحِ قلب کو ہی اصل تزکیہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ تمام اچھے اور برے اعمال کا سرچشمہ دل ہی ہے۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل قدر و قیمت باطن کی صفائی کی ہے۔

نبی کریم ﷺ خود تزکیے کے لیے دعا کیا کرتے تھے" :اللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَن زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا " یعنی اے اللہ !میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے، تو ہی اسے پاک کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے، تو ہی اس کا ولی اور مولیٰ ہے۔ اس دعا سے تزکیے کا ایک اہم اصول ملتا ہے کہ تزکیہ انسان کی کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ کی توفیق کا محتاج ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ" الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ "یعنی پاکیزگی ایمان کا آدھا حصہ ہے، اور اس پاکیزگی کا مفہوم ظاہری صفائی سے بڑھ کر باطنی طہارت تک وسیع ہے۔

عملی زندگی میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام کا تزکیہ محض وعظ سے نہیں بلکہ صحبت، نگرانی، اجتماعی عبادات اور عملی تربیت کے ذریعے کیا۔ مسجدِ نبوی میں قائم درسگاہ صُفّہ اسی تزکیے کا مرکز تھی جہاں غریب صحابہ شب و روز ذکر، علم اور خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاہلیت کے معاشرے کے افراد چند برسوں میں انسانیت کے استاد بن گئے۔ یہ نبوی طریقہ آج بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تزکیہ اجتماعی ماحول اور مستقل تربیت سے حاصل ہوتا ہے، تنہائی کے دعووں سے نہیں۔

تزکیے کی اہمیت

تزکیے کی اہمیت کا پہلا پہلو یہ ہے کہ یہ قبولیتِ عبادت کی بنیاد ہے۔ اخلاص اور پاکیزہ دل کے بغیر عبادت اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، مگر اس کے اثرات اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب دل گناہوں کی میل سے دھل جائے۔ دوسرا پہلو قربِ الٰہی ہے؛ پاک دل اللہ کے ذکر سے مانوس ہوتا ہے اور اسے عبادت میں لذت محسوس ہوتی ہے، جب کہ آلودہ دل عبادت کو بوجھ سمجھتا ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ تزکیہ انسان کو نفسانی خواہشات کی غلامی سے آزاد کرتا ہے، جس سے وہ حلال و حرام میں تمیز کر کے زندگی گزار پاتا ہے۔

معاشرتی اعتبار سے تزکیہ یافتہ انسان امانت دار، سچا، رحم دل اور عدل پسند ہوتا ہے، چنانچہ جس معاشرے کے افراد کا تزکیہ ہوا ہو وہاں جرائم کم اور اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے تزکیہ انسان کو حسد، کینہ اور مایوسی جیسی ذہنی بیماریوں سے نجات دیتا ہے اور اسے سکونِ قلب عطا کرتا ہے، جبکہ اسی سکون کو ذکرِ الٰہی سے وابستہ کرتا ہے۔ اخروی اعتبار سے تزکیہ نجات کی شرط ہے، کیونکہ قیامت کے دن اللہ کے حضور نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، بس وہی کام آئے گا جو قلبِ سلیم لے کر آئے گا، جیسا کہ سورہ الشعراء میں ارشاد ہے۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تزکیے کے معنی نفس کی پاکیزگی اور اس کی نشوونما کے ہیں۔ قرآن نے اسے فلاح کی بنیاد، انبیاء کی بعثت کا مقصد اور عبادات کی روح قرار دیا ہے، اور سنت نے قلب کی اصلاح کو پورے وجود کی اصلاح قرار دے کر اس کی عملی صورت پیش کی ہے۔ نماز، روزہ، زکاۃ، ذکر، تلاوت، نیک صحبت اور محاسبہ نفس اس کے آزمودہ ذرائع ہیں۔ جو شخص تزکیے سے غافل رہا اس کا علم و عمل ظاہری رہا، اور جس نے تزکیہ اختیار کیا وہ دنیا میں بھی باوقار ہوا اور آخرت میں بھی فلاح پانے والوں میں شامل ہوا۔ اس لیے طالب علم کو چاہیے کہ کتابی علم کے ساتھ اپنے باطن کی اصلاح کو بھی اپنا مستقل مشغلہ بنائے۔

سوال نمبر :3 قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں صدق کا مفہوم بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

صدق یعنی سچائی اسلامی اخلاق کی بنیاد اور تمام فضائل کی جڑ ہے۔ امانت، عدل، وفا اور دیانت جیسی صفات اسی درخت کی شاخیں ہیں، کیونکہ جو شخص سچا نہ ہو وہ نہ امین ہو سکتا ہے، نہ عادل اور نہ ہی قابلِ اعتماد۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں صدق کو ایمان کی علامت اور جنت کا راستہ قرار دیا گیا ہے، اور جھوٹ کو نفاق کی نشانی اور ہر برائی کی کنجی کہا گیا ہے۔

آج کے دور میں سچائی کا بحران اس قدر عام ہو چکا ہے کہ کاروبار سے لے کر سیاست اور میڈیا سے لے کر روزمرہ گفتگو تک جھوٹ معمول بنتا جا رہا ہے۔ ایسے میں صدق کے مفہوم کو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ذیل میں صدق کے لغوی و اصطلاحی معنی، اس کی اقسام، قرآنی و نبوی دلائل اور اس کے ثمرات تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

صدق کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

صدق کے لغوی معنی سچائی، راست گوئی اور حقیقت کے مطابق بات کہنے کے ہیں۔ یہ کذب کی ضد ہے۔ عرب محاورے میں کسی مضبوط اور ثابت چیز کو بھی صدق سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ سچ اپنے ثبوت میں پختہ ہوتا ہے جب کہ جھوٹ کمزور اور غیر ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح" صدیق "اس شخص کو کہتے ہیں جس کا قول و فعل ہر حال میں سچا ہو اور جس کی سچائی ہمیشگی کی صورت اختیار کر لے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو" صدیق "کا لقب ملا۔

اصطلاحی طور پر صدق سے مراد یہ ہے کہ انسان کی زبان اس کے دل کے موافق ہو، اس کا ظاہر اس کے باطن کے مطابق ہو اور اس کا عمل اس کے قول کی تصدیق کرے۔ گویا صدق صرف زبان کے سچ بولنے کا نام نہیں بلکہ نیت، قول، عمل اور حال سب میں سچائی کا نام ہے۔ جو شخص بات سچی کرے مگر نیت میں کھوٹ ہو، یا دعویٰ بڑے بڑے کرے مگر عمل اس کے خلاف ہو، وہ کامل معنوں میں صادق نہیں کہلا سکتا۔ اسی جامع مفہوم کی بنا پر علماء نے صدق کو اخلاق کا سب سے اونچا درجہ قرار دیا ہے۔

صدق کی اقسام

علماء نے صدق کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ پہلی قسم صدق فی القول ہے، یعنی بات چیت میں سچ بولنا، خبر دینے میں جھوٹ سے بچنا اور واقعے کو اسی طرح بیان کرنا جیسا وہ ہے۔ دوسری قسم صدق فی النیۃ والارادہ ہے، یعنی عمل کی نیت خالص اللہ کے لیے ہو، دکھاوا اور شہرت کی طلب نہ ہو۔ تیسری قسم صدق فی العزم ہے کہ انسان نیکی کا پکا ارادہ کرے اور موقع آنے پر اسے کر گزرے۔ چوتھی قسم صدق فی الوفاء ہے یعنی وعدہ کرنے کے بعد اسے پورا کرنا، چاہے اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

پانچویں قسم صدق فی العمل ہے کہ انسان کا عمل اس کے دعوے کے مطابق ہو؛ جو بات وہ منہ سے کہے اسی پر کاربند ہو۔ قرآن میں اس کے برعکس رویے پر سخت ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، یہ اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ چھٹی قسم صدق فی الحال ہے، یعنی باطنی کیفیات میں بھی سچائی ہو؛ خوف، رجاء، محبت اور توکل کے جو دعوے زبان پر ہوں وہ دل کی اصل کیفیت کے مطابق ہوں۔ ان تمام اقسام کا خلاصہ یہ ہے کہ صدق انسان کے پورے وجود کی یکسانی اور سچائی کا نام ہے۔

قرآن مجید میں صدق

قرآن مجید نے صدق کو متعدد مقامات پر بلند ترین مقام دیا ہے۔ سورہ التوبہ میں ارشاد ہے" :يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ "یعنی اے ایمان والو !اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ آیت سچوں کی صحبت کو بھی صدق کے حصول کا ذریعہ بتاتی ہے۔ سورہ الاحزاب میں مخلص اہلِ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا کہ کچھ مومن وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔ سورہ مریم میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو" صدیقاً نبیاً "اور" صادق الوعد "کے القاب سے نوازا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق انبیاء کی امتیازی صفت ہے۔

قرآن نے صادقین کے لیے عظیم اجر کا وعدہ بھی کیا ہے۔ سورہ النساء میں فرمایا گیا کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ انعام یافتہ لوگوں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ اس ترتیب میں انبیاء کے بعد سب سے بلند درجہ صدیقین کا رکھا گیا ہے۔ سورہ الزمر میں اس شخص کو کامیاب بتایا گیا جو سچ لے کر آیا اور جس نے

اس کی تصدیق کی، اور فرمایا کہ ایسے ہی لوگ متقی ہیں۔ اسی طرح قرآن جھوٹ کو اللہ پر بہتان، ظلم اور ہدایت سے محرومی کا سبب قرار دیتا ہے اور جھوٹے پر لعنت کی وعید سناتا ہے۔

سنتِ نبوی ﷺ میں صدق

نبی کریم ﷺ کی سیرت خود صدق کا کامل نمونہ تھی۔ بعثت سے پہلے ہی اہلِ مکہ آپ ﷺ کو "صادق" اور "امین" کے لقب سے پکارتے تھے، اور جب آپ ﷺ نے صفا کی پہاڑی سے دعوت دی تو دشمنوں نے بھی آپ کی سچائی کی گواہی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ" یعنی سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اسی حدیث میں جھوٹ کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف، اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صدق کو دل کے اطمینان اور جھوٹ کو شک و اضطراب کا سبب بتایا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ بھی جھوٹ بولنے سے منع فرمایا اور مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی حوصلہ شکنی کی، حتیٰ کہ اس شخص کے لیے ہلاکت کی وعید سنائی جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے۔ یہ تعلیمات ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام میں صدق کسی خاص عہدے یا موقع سے محدود نہیں بلکہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں لازم ہے۔

صدق کے ثمرات اور فوائد

صدق کے دنیوی ثمرات میں سب سے پہلا ثمرہ اعتماد ہے۔ سچا انسان خاندان، کاروبار اور معاشرے میں قابلِ بھروسا سمجھا جاتا ہے، اس کی بات کو وزن دیا جاتا ہے اور اس کے معاملات آسان ہوتے جاتے ہیں۔ دوسرا ثمرہ سکونِ قلب ہے؛ سچے کو نہ جھوٹ یاد رکھنے کی پریشانی ہوتی ہے نہ پکڑے جانے کا خوف۔ تیسرا ثمرہ برکت ہے؛ تجارت اور معاملات میں سچائی سے رزق میں برکت آتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خریدار اور بیچنے والے سچ بولیں اور عیب ظاہر کر دیں تو ان کی بیع میں برکت دی جاتی ہے، اور جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو برکت مٹا دی جاتی ہے۔

اخروی ثمرات میں جنت، اللہ کی رضا اور صدیقین کے ساتھ رفاقت سرِفہرست ہیں۔ قرآن میں جنت کی نعمتوں کے ضمن میں خاص طور پر فرمایا گیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی۔ اس کے مقابلے میں جھوٹ وقتی فائدہ دے سکتا ہے مگر انجام رسوائی، اعتماد کا خاتمہ اور اخروی خسارہ ہے۔ اس لیے عقل مند وہی ہے جو وقتی سہولت کے بدلے سچائی جیسی عظیم سرمایہ کاری نہ گنوائے۔ صدق اپنانے کا عملی طریقہ یہ ہے کہ انسان بولنے سے پہلے سوچے، خبر کی تحقیق کرے، وعدہ سوچ سمجھ کر کرے اور بھول چوک پر فوراً اعتراف کر لے۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ صدق زبان، نیت، وعدے، عمل اور تمام معاملات میں سچائی کا جامع نام ہے۔ قرآن نے صادقین کو انبیاء کے بعد بلند ترین مقام دیا اور ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا، جب کہ سنت نے سچ کو جنت کا راستہ اور نبی کریم ﷺ کی سیرت کو اس کا عملی نمونہ قرار دیا۔ صدق کے ثمرات دنیا میں اعتماد، سکون اور برکت اور آخرت میں رضائے الٰہی اور جنت کی صورت میں ملتے ہیں۔ ہر طالب علم اور ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں صدق کو شعار بنائے، کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر فرد کا کردار اور قوم کا مستقبل استوار ہوتا ہے۔

سوال نمبر :4 فضائلِ اخلاق کا تعارف اور اہمیت بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

فضائلِ اخلاق انسانی شخصیت کا زیور اور اسلامی تعلیمات کا حاصل ہیں۔ جس طرح جسم کی صحت کے لیے متوازن غذا اور پرہیز لازم ہے، اسی طرح روح کی صحت کے لیے فضائل کو اپنانا اور رذائل سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ فضائل انسان کو نہ صرف اللہ کے نزدیک محبوب بناتے ہیں بلکہ مخلوق کے دلوں میں بھی اس کی قدر و منزلت پیدا کرتے ہیں۔

ذیل میں فضائلِ اخلاق کا مفہوم و تعارف پیش کیا جائے گا، اہم فضیلتوں کی مختصر شرح دی جائے گی، قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی فضیلت بیان ہوگی اور پھر ان کی اہمیت کو فردی، معاشرتی اور اخروی اعتبار سے واضح کیا جائے گا تاکہ طالب علم پر یہ بات اچھی طرح عیاں ہو جائے کہ فضائل محض کتابی بحث نہیں بلکہ زندگی کا عملی سرمایہ ہیں۔

فضائلِ اخلاق کا مفہوم اور تعارف

فضیلت کے لغوی معنی بڑائی، برتری اور خوبی کے ہیں۔ اصطلاح میں فضائلِ اخلاق سے مراد وہ اچھی اور پسندیدہ صفات ہیں جو انسانی نفس میں پختہ ہو کر اس سے نیک افعال کا صدور کراتی ہیں اور جو عقل، شریعت اور سلیم فطرت تینوں کے نزدیک قابلِ تحسین ہوں۔ ان کے مقابلے میں رذائلِ اخلاق وہ بری صفات ہیں جن سے شرمناک اور مضر افعال صادر ہوتے ہیں۔ علمائے اخلاق نے فضائل کی بنیاد چار اصولوں پر رکھی ہے :حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت، اور باقی تمام فضیلتیں انہی چار کے تحت آتی ہیں۔

فضائل کی پہچان کا معیار محض رسم و رواج نہیں، کیونکہ رسوم بدلتی رہتی ہیں، بلکہ وحی کی رہنمائی ہے۔ جو صفت قرآن و سنت کی نظر میں پسندیدہ ہے وہی حقیقی فضیلت ہے اور جو ناپسندیدہ ہے وہ رذیلت، چاہے دنیا اسے کچھ بھی سمجھے۔ اسی طرح فضیلت افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا نام ہے؛ مثلاً سخاوت اسراف اور بخل کے درمیان ہے، شجاعت بے باکی اور بزدلی کے درمیان ہے اور تواضع تکبر اور ذلت پسندی کے درمیان ہے۔ یہ اعتدال ہی فضیلت کو قابلِ عمل اور پائیدار بناتا ہے۔

اہم فضائلِ اخلاق کی شرح

اہم فضائل میں سب سے پہلے صدق و امانت ہیں، جن کی بدولت معاشرے میں اعتماد قائم رہتا ہے۔ عدل و انصاف وہ فضیلت ہے جس پر نظامِ زندگی کا استحکام ہے؛ قرآن نے عدل کو تقوے کے قریب ترین قرار دیا ہے۔ صبر مشکلات میں ثابت قدمی کا نام ہے اور قرآن صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی معیت کا اعلان کرتا ہے۔ شکر نعمتوں کی قدر دانی ہے جس سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ حلم اور بردباری غصے پر قابو پانے کا نام ہے، اور سخاوت و ایثار مال اور وقت دوسروں کے لیے نچھاور کرنے کا جذبہ ہے۔

عفو و درگزر اور تواضع اجتماعی زندگی کی فضیلتیں ہیں۔ قرآن اہلِ جنت کی صفات بیان کرتے ہوئے غصہ پینے اور لوگوں کو معاف کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ حیا کو ایمان کی شاخ قرار دیا گیا ہے، توکل اللہ پر بھروسے کا نام ہے، اخلاص ہر عمل کی روح ہے اور رحم دلی مخلوقِ خدا کے لیے نرمی و شفقت کا جذبہ ہے۔ یہ تمام صفات مل کر ایک متوازن اور خوبصورت انسانی شخصیت تشکیل دیتی ہیں، اور ان میں سے ہر صفت اپنی جگہ پر ایک مستقل درس اور عملی مشق کی متقاضی ہے۔

معاشرتی فائدہ	مفہوم	فضیلت
اعتماد اور شفافیت	قول و عمل کی سچائی	صدق
معاشی و سماجی بھروسا	حق دار کو اس کا حق پہنچانا	امانت
امن اور تنازعات کا خاتمہ	ہر ایک کو اس کا حق دینا	عدل
ذہنی سکون اور استحکام	مشکل میں ثابت قدمی	صبر
نعمتوں میں اضافہ اور قناعت	نعمت کی قدر دانی	شکر
جھگڑوں سے حفاظت	غصے پر قابو	حلم
غربت میں کمی، محبت میں اضافہ	دوسروں پر خرچ کرنا	سخاوت
دشمنیوں کا خاتمہ	قصاص کی طاقت کے باوجود معاف کرنا	عفو
باہمی احترام	خود کو بڑا نہ سمجھنا	تواضع
فحاشی سے حفاظت	برائی سے شرم و جھجک	حیا

قرآن و سنت میں فضائل کی فضیلت

قرآن مجید نے فضائل کو اہلِ ایمان کی پہچان قرار دیا ہے۔ سورہ الفرقان میں عباد الرحمٰن کی صفات میں تواضع سے چلنا، جاہلوں سے سلامتی کی بات کہنا، انفاق میں اعتدال اور ناحق قتل و زنا سے بچنا بیان ہوا ہے۔ سورہ الحجرات میں تقویٰ کو عزت کا معیار قرار دیا گیا اور غیبت، بدگمانی اور تجسس سے ممانعت کر کے سماجی فضائل کی بنیاد رکھی گئی۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر ہیں، اور آپ کا اسوہ مومنین کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا گیا۔

احادیث میں فضائل کی ترغیب بڑی کثرت سے آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہے، اور فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مومن وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔ ایک سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں داخل کرنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ تقویٰ اور حسنِ اخلاق ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حسنِ اخلاق والے کو اس شخص کے درجے کی خوشخبری دی جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے، حالانکہ اس کی عبادات شاید کم ہوں مگر اخلاق نے اس کی کمی پوری کر دی۔

فضائلِ اخلاق کی اہمیت

فردی اعتبار سے فضائل انسان کو نفسیاتی سکون، ضمیر کی راحت اور اللہ کی محبت عطا کرتے ہیں۔ نیک صفات والا شخص حسد، کینہ اور لالچ جیسی ذہنی اذیتوں سے محفوظ رہتا ہے اور اپنی ذات میں مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ معاشرتی اعتبار سے فضائل پورے اجتماعی نظام کی بنیاد ہیں؛ امانت سے بازار چلتا ہے، عدل سے عدالتیں چلتی ہیں، عفو سے خاندان جڑتے ہیں اور رحم دلی سے کمزور طبقات کو سہارا ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے نظامِ قانون بھی اس وقت ناکام ہو

جاتے ہیں جب معاشرے سے فضائل اٹھ جائیں، کیونکہ قانون جرم کے بعد حرکت میں آتا ہے جب کہ اخلاق جرم سے پہلے روکتا ہے۔

دینی و اخروی اعتبار سے فضائل عبادات کی قبولیت کی علامت اور جنت کا ذریعہ ہیں۔ بہت سے لوگ عبادات کی کثرت کے باوجود بداخلاقی کی وجہ سے اپنی نیکیاں ضائع کر بیٹھتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں مفلس اس شخص کو کہا گیا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر آئے گا مگر لوگوں کے حقوق تلف کرنے کی وجہ سے اس کی نیکیاں حق داروں کو دے دی جائیں گی۔ اس کے برعکس حسنِ اخلاق میزان میں سب سے بھاری ہوگا۔ دعوت و تبلیغ کے اعتبار سے بھی فضائل سب سے مؤثر ذریعہ ہیں؛ تاریخ گواہ ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ میں اسلام تاجروں اور صوفیاء کے اخلاق سے پھیلا، تلوار سے نہیں۔

خلاصہ

حاصلِ بحث یہ ہے کہ فضائلِ اخلاق وہ پسندیدہ اور پختہ صفات ہیں جو انسان کے قول و عمل کو سنوار کر اسے اللہ اور مخلوق دونوں کا محبوب بناتی ہیں۔ صدق، امانت، عدل، صبر، شکر، حلم، سخاوت، عفو، تواضع اور حیا ان کی نمایاں مثالیں ہیں۔ قرآن و سنت نے ان کی عظیم فضیلت بیان کی ہے اور فردی سکون، معاشرتی امن اور اخروی نجات کو انہی سے وابستہ کیا ہے۔ لہٰذا طالب علم کی اصل کامیابی یہ ہے کہ وہ ان صفات کو صرف یاد نہ کرے بلکہ تدریجاً انہیں اپنی عادت و طبیعت بنا لے، کیونکہ علم کا ثمرہ عمل اور عمل کی روح اخلاق ہے۔

سوال نمبر :5 فحاشی کی حرمت اور نقصانات بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

فحاشی انسانی فطرت، اسلامی تعلیمات اور ہر مہذب معاشرے کی اقدار کے خلاف ایک ایسی تباہ کن برائی ہے جو فرد کی عزت، خاندان کی پاکیزگی اور معاشرے کے اخلاقی وجود کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اسلام نے انسان کی عزت و عصمت کو بنیادی حقوق میں شمار کیا ہے اور ہر اس راستے کو بند کیا ہے جو بے حیائی کی طرف لے جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں فحاشی کی حرمت بڑی وضاحت اور سختی کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

موجودہ دور میں فلم، ڈرامہ، سوشل میڈیا اور اشتہارات کے ذریعے فحاشی کو تفریح اور آزادی کے نام پر عام کیا جا رہا ہے، جس کے نقصانات خاندانی نظام کے بکھرنے، نوجوان نسل کی تباہی اور جرائم میں اضافے کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں۔ ذیل میں فحاشی کا مفہوم، قرآن و سنت سے اس کی حرمت اور اس کے دینی، نفسیاتی، خاندانی و معاشرتی نقصانات تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

فحاشی کا مفہوم

فحش عربی لفظ ہے جس کے معنی ہر اس قول، فعل اور حرکت کے ہیں جو حد سے بڑھی ہوئی قبیح اور بے حیائی پر مبنی ہو۔ فاحشہ سے مراد خاص طور پر زنا اور اس کی طرف لے جانے والے افعال ہیں، جب کہ وسیع مفہوم میں ہر نازیبا گفتگو، گالی گلوچ، فحش اشارے، بے پردگی، فحش تحریریں اور مناظر سب فحاشی میں شامل ہیں۔ لغوی طور پر جو چیز اپنی حد سے تجاوز کر کے ناپسندیدگی کی انتہا کو پہنچ جائے اسے فاحش کہا جاتا ہے۔

اسلامی اصطلاح میں فحاشی سے مراد جنسی بے راہ روی اور بے حیائی کے تمام مظاہر ہیں، خواہ وہ ناجائز تعلق کی صورت میں ہوں، نظر بازی اور شہوت انگیز مناظر دیکھنے کی صورت میں ہوں یا زبان و ادب کے ذریعے بے حیائی پھیلانے کی صورت میں۔ اسی لیے قرآن نے صرف زنا کی ممانعت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ، یعنی جو چیزیں زنا کی طرف لے جاتی ہیں — بے پردگی، مخلوط مجالس، فحش مواد — وہ بھی ممنوع کے دائرے میں ہیں۔ یہ احتیاطی اصول فحاشی کے مفہوم کی وسعت کو واضح کرتا ہے۔

قرآن مجید سے فحاشی کی حرمت

قرآن مجید میں فحاشی کی حرمت متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے۔ سورہ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" یعنی کہہ دیجیے کہ میرے رب نے صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ سورہ النحل میں فرمایا گیا کہ اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور فحشاء، منکر اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں زنا کے بارے میں فرمایا: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا" یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

فحاشی پھیلانے کی بھی قرآن میں سخت مذمت آئی ہے۔ سورہ النور میں فرمایا کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ یہ آیت آج کے اس دور کے لیے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جب فحش مواد تیار کرنا اور پھیلانا ایک صنعت بن چکا ہے۔ اسی سورہ میں غضِ بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنے اور عورتوں کو بھی نگاہیں بچانے اور زینت چھپانے کا حکم دے کر فحاشی کے سرچشموں کو بند کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ سورہ الاحزاب میں نبی ﷺ کی ازواج اور عام مسلمان خواتین کو بے پردگیِ جاہلیت کی نمائش سے روکا گیا اور گھروں میں وقار کے ساتھ رہنے اور نرم لہجے میں بات نہ کرنے کی تلقین کی گئی۔

سنتِ نبوی ﷺ سے فحاشی کی حرمت

احادیث میں فحاشی اور بے حیائی کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں لے جانے والا ہے، جب کہ بے حیائی سختی سے ہے اور سختی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن نہ طعنہ دینے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ بدگو اور نہ بدزبان۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی فحاشی بھی فعل کی فحاشی کی طرح ایمان کے منافی ہے۔ آپ ﷺ خود سیرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ با حیا تھے؛ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔

زنا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی زنا کرتا ہے تو اس حال میں زنا نہیں کرتا کہ وہ مومن ہو، اور اس عمل کو ایمان سے خالی ہونے کی حالت قرار دیا۔ آپ ﷺ نے نگاہ کی حفاظت کو آنکھ کا زنا اور زبان کی بے باکی کو زبان کا زنا قرار دے کر یہ سکھایا کہ فحاشی چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اس عورت اور مرد کے لیے وعید سنائی جو یہ چاہیں کہ ان کی قوم میں فحاشی عام ہو، اور امت کو خبردار کیا کہ پچھلی امتوں پر عذاب اس وقت آیا جب ان میں فحاشی ظاہر ہو گئی اور انہوں نے اسے روکا نہیں۔

فحاشی کے نقصانات

فحاشی کا پہلا نقصان دینی و اخروی ہے۔ یہ انسان کے ایمان کو کمزور کرتی ہے، دل کو سیاہ کرتی ہے اور عبادات کی لذت ختم کر دیتی ہے۔ فحاشی میں مبتلا شخص نماز سے دور، ذکر سے غافل اور اللہ کی یاد سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور

قرآن کی وعید کے مطابق ایسے لوگ دنیا و آخرت کے دردناک عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ دوسرا نقصان نفسیاتی ہے؛ فحش مناظر اور خیالات انسان کے ذہن کو منتشر، توجہ کو ختم اور احساسِ گناہ کو مدھم کر دیتے ہیں۔ طبّی و نفسیاتی ماہرین بھی فحش مواد کی لت کو ذہنی بے چینی، افسردگی اور ازدواجی زندگی کی بے سکونی کا بڑا سبب قرار دیتے ہیں۔

تیسرا نقصان خاندانی ہے۔ فحاشی اعتماد کو توڑتی ہے، میاں بیوی کے تعلق کو کھوکھلا کرتی ہے اور بالآخر طلاق، اولاد کی بے راہ روی اور گھریلو تشدد کا سبب بنتی ہے۔ چوتھا نقصان معاشرتی ہے؛ جس معاشرے میں بے حیائی عام ہو وہاں عورت کی عزت محفوظ نہیں رہتی، جنسی جرائم بڑھتے ہیں، جائز اولاد اور خاندانی نظام کی تباہی سے سماجی ڈھانچہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ پانچواں نقصان صحت کے اعتبار سے ہے کہ بے راہ روی سے مہلک امراض پھیلتے ہیں، چنانچہ حدیث میں بھی نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ جس قوم میں فحاشی عام ہو جاتی ہے ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آباؤ اجداد میں نہیں ہوئی تھیں۔

چھٹا نقصان تعلیمی و معاشی ہے۔ فحاشی نوجوان کا وقت، توانائی اور توجہ تعلیم و ہنر سے ہٹا کر فضول مشغلوں میں لگا دیتی ہے، جس سے قوم کا انسانی سرمایہ ضائع ہوتا ہے۔ تاریخ بھی گواہ ہے کہ جن تہذیبوں میں عیاشی اور بے حیائی غالب آئی وہ اخلاقی سڑن کے بعد سیاسی و عسکری زوال کا شکار ہو گئیں، کیونکہ فحاشی قوم کی غیرت، حمیت اور جدوجہد کی روح کو مار دیتی ہے۔ یہی نقصانات واضح کرتے ہیں کہ اسلام نے فحاشی کو محض ایک اخلاقی برائی نہیں بلکہ سماجی تباہی کا دروازہ سمجھ کر اس کی جڑیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

فحاشی سے بچاؤ کے طریقے

فحاشی سے بچاؤ کے لیے اسلام نے مثبت اور عملی نظام دیا ہے۔ نگاہ کی حفاظت، پردے کے احکام، بروقت نکاح کی ترغیب، روزے کو شہوت کے توڑ کے طور پر اختیار کرنا، نیک صحبت، اللہ کے ذکر کی کثرت اور خالی وقت کو مفید مشغلوں میں لگانا اس کے بنیادی ذرائع ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو استطاعت رکھے وہ شادی کرے، اور جو نہ رکھے وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔ والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کے ماحول، دوستوں اور ڈیجیٹل استعمال کی نگرانی کریں اور انہیں حیا کی قدر و قیمت محبت سے سمجھائیں۔ اجتماعی

سطح پر میڈیا اور قانون کے ذریعے فحاشی کو روکنا بھی معاشرے کی ذمہ داری ہے، کیونکہ برائی ہوتی دیکھ کر خاموش رہنا بھی اس کے پھیلاؤ میں حصہ داری ہے۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ فحاشی ہر وہ بے حیائی ہے جو قول، فعل، نظر اور ماحول کے ذریعے انسان کو جنسی بے راہ روی کی طرف لے جائے۔ قرآن نے فواحش کو صریح حرام قرار دیا، فحاشی پھیلانے والوں کو سخت وعید سنائی اور غضِ بصر و پردے جیسے حفاظتی احکام دیے، جب کہ سنت نے حیا کو ایمان اور بے حیائی کو جہنم کا راستہ بتایا۔ اس کے نقصانات دین و ایمان کی کمزوری سے لے کر ذہنی تباہی، خاندان کی بربادی، جرائم و امراض کے پھیلاؤ اور قوموں کے زوال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کے فرض ہے کہ وہ خود بھی اس سے بچے اور اپنے گھر و معاشرے کو بھی اس وبا سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔